05303
5/20

سوال

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ڈاکٹر حضرات کی رائے کے مطابق کچھ مریض ایسے ہوتے ہیں جو اعضاء کی عدمِ دستیابی کی وجہ سے موت کا شکار ہو جاتے ہیں، ان قیمتی جانوں کو بچانے کا مستند طریقہ علاج انسانی اعضاء کی پیوند کاری ہے، اور متعدد ممالک میں یہ طریقہ رائج اور کامیاب ہے، اس کیلئے زندہ اور مُردہ دونوں سے اعضاء لئے جاتے ہیں۔ کیا شریعت کی رُو سے یہ جائز ہے؟ اور اس کیلئے ترغیبی مہم چلانا کیسا ہے تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ سے اپنے اعضاء عطیہ کریں۔ براہِ کرم رہنمائی فرما کر ممنون فرمائیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ عبداللہ، کورنگی کے ایریا کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب حامداً ومصلیا

جواب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے جو اعضاء عطا فرمائے ہیں انسان خود بھی ان کا مالک نہیں ہے کہ وہ کسی اور کو دے سکے، نیز انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات اور محترم بنایا ہے، اور یہ طریقہ انسانی اعضاء کے احترام کے خلاف ہے، یہ اعضاء دوسری اشیاء کی طرح نہیں جن کی خرید وفروخت یا ہبہ وعطیہ ہو سکتا ہو، اسی لئے انسانی اعضاء کی خرید وفروخت کرنا تمام علماء کے نزدیک ناجائز ہے۔

البتہ اگر کبھی کوئی ایسی مجبوری کی صورت پیش آجائے کہ مریض کی زندگی بچانے کیلئے یا اس کے بنیادی اعضاء میں سے کسی عضو کے عمل کو بحال کرنے کیلئے متبادل کی ضرورت ہو اور ماہر ڈاکٹر کی آراء کے مطابق انسانی اعضاء کے سوا کوئی اور متبادل (مثلاً غیر ذی روح چیز سے بنے ہوئے اعضاء یا حلال جانور کے اعضاء کی پیوند کاری کے ذریعہ) ممکن نہ ہو تو کیا ایسی مجبوری کی صورت میں کسی انسان کا عضو بلا معاوضہ لے کر استعمال کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں علماءِ کرام اور اہلِ فتویٰ حضرات کا اختلاف ہے۔ بلادِ ہند وپاک کے بیشتر قدیم علماءِ کرام نے اسے مطلقاً ناجائز فرمایا ہے، جبکہ ہندوستان اور عرب ممالک کے متعدد علماءِ کرام نے بعض فقہی قواعد اور دیگر چند دلائل کی بنیاد پر انسانی جان بچانے کی خاطر مجبوری میں درجِ ذیل چند شرائط کے ساتھ اسکی اجازت دی ہے:

۱... معتمد اور ماہر اطباء بتائیں کہ پیوند کاری کے علاوہ مریض کا کوئی دوسرا علاج ممکن نہیں ہے۔

۲... اس بارے میں ظنِ غالب ہو کہ اس عضو کی منتقلی سے مریض کو شفا حاصل ہو جائیگی۔

۳... حتی الامکان کسی مسلمان کا کوئی عضو کسی کافر کو اور کسی کافر کا کوئی عضو مسلمان کو نہ لگایا جائے اور کوشش کی جائے کہ مسلمان کے جسم میں مسلمان کا ہی عضو استعمال کیا جائے۔

۴... مرنے والا شخص مکلّف ہو اور اس نے موت سے پہلے منتقلی کی تحریری اجازت دیدی ہو۔ البتہ مجمع الفقہ الاسلامی جدہ کے فیصلہ میں ورثاء کو بھی اختیار دیا گیا ہے کہ اگر میت نے زندگی میں وصیت نہ کی ہو تو موت کے بعد ورثاء کی اجازت بھی کافی ہے، اور اگر متوفی شخص لاوارث یا نامعلوم ہو تو مسلمانوں کے ولی الامر نے اجازت دیدی ہو۔

(جاری ہے۔۔۔)

۵... عضو کی منتقلی کے بعد جسم میں کوئی ایسی تبدیلی نہ ہو جو مُثلہ کے مشابہ ہو۔ (جسم کے اعضاء کاٹ کر اس کو بدہیئت بنانے اور صورت بگاڑنے کو مُثلہ کہا جاتا ہے)

۶... مردہ جسم سے مطلوبہ عضو کو تدفین سے پہلے پہلے نکال لیا جائے، تدفین کے بعد نہیں۔

۷... وہ عضو بغیر کسی قیمت کے دیا جائے۔

یہ شرائط مردہ جسم سے عضو لینے کے بارے میں ہیں، اگر کسی زندہ جسم سے اُس کی اجازت سے کوئی عضو لیا جائے تو اس کیلئے مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ ساتھ درجِ ذیل شرائط کا پایا جانا بھی ضروری ہے:



۱... اس عمل سے عضو دینے والے شخص کی طبعی زندگی کو کوئی بڑا نقصان نہ پہنچے۔

۲... اس کا کوئی ایسا عضو نہ نکالا جائے جس پر اس کی حیات موقوف ہو جیسے دل وغیرہ۔

۳... کسی ایسے عضو کی منتقلی جائز نہیں جس کے جُدا کرنے سے انسان کسی اساسی وظیفہ سے محروم ہو جائے جیسے دونوں آنکھیں وغیرہ۔

۴... زندہ جسم سے صرف وہ عضو لیا جائے جس کے متعلق ڈاکٹروں نے طے کر دیا ہو کہ اسکا جسم کے اندر رہنا ضروری نہیں اور اس کے بغیر زندگی بآسانی گزاری جاسکتی ہے۔

(یہ شرائط مجمع الفقہ الاسلامی جدہ، رابطہ عالم اسلامی کے ماتحت قائم اسلامی فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے فیصلوں اور دیگر مجوزین حضرات کے مقالہ جات سے ماخوذ ہیں)

لہٰذا احتیاط تو بہر حال اسی میں ہے کہ حتی الامکان اس طریقہَ علاج سے اجتناب کیا جائے، البتہ اگر کوئی شخص شدید مجبوری میں مبتلا ہو اور وہ جواز کی رائے رکھنے والے علماءِ کرام کی رائے پر عمل کرلے تو امید ہے کہ عند اللہ معذور ہوگا، تاہم جواز والے قول پر عمل کرنے کی صورت میں احتیاطاً استغفار اور کچھ صدقہ وخیرات بھی کردے۔

لیکن یہ بات ضرور واضح رہنی چاہئے کہ اعضاءِ انسانی کی پیوندکاری کو جائز کہنے والے حضرات کے نزدیک بھی صرف مجبوری کی صورت میں گنجائش ہے جس کی تفصیل اوپر گزری، عام حالات میں اس کی اجازت نہیں، اس لئے جواز کی رائے اور فتویٰ کو بنیاد بنا کر انسانی اعضاء کے عطیہ کی ترغیب دینا اور لوگوں میں اس کے رجحان کو فروغ دینا درست نہیں، بالخصوص موجودہ حالات میں جس طرح اس طریقہَ علاج کا فروغ ہو رہا ہے غالب گمان ہے کہ لوگ معمولی معمولی مشقتوں کا سہارا لے کر اعضاء کی خرید وفروخت شروع کردیں اور اسے کاروبار بنا لیا جائے۔ اس لئے اس طرزِ عمل کی حوصلہ افزائی کے بجائے حوصلہ شکنی کرنی چاہئے تاکہ انسانی جان کی حرمت وشرافت برقرار رہے، اور انسانی جان کو عام اشیاء کی طرح استعمال کی چیز نہ بنالیا جائے۔ (مزید تفصیل اور دلائل کیلئے دار الافتاء جامعہ دار العلوم کراچی سے جاری شدہ فتویٰ (۱۳/۱۸۶۳) ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔)

بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع - (۱۳۳/۵)

أن استعمال جزء منفصل عن غيره من بني آدم إهانة بذلك الغير والآدمي بجميع أجزائه مكرم.

(جاری ہے۔۔۔)

الهداية في شرح بداية المبتدي - (٣/ ٤٦)

قال: "ولا يجوز بيع شعور الإنسان ولا الانتفاع بها" لأن الآدمي مكرم لا مبتذل فلا يجوز أن يكون شيء من أجزائه مهانا ومبتذلا

قال ابن الهمام في توضيح بعض المسائل:



الاتفاق على أن حرمة المسلم ميتا كحرمته حيا (فتح القدير-٢/ ١٤٢)

مجلة الأحكام العدلية - (ص: ١٨)

(المادة ٢١) : الضرورات تبيح المحظورات

الأشباه والنظائر لابن نجيم - (ص: ٧٦)

الرابعة: [إذا تعارض مفسدتان روعي أعظمهما ضررا بارتكاب أخفهما] . . . . قال الزيلعي في باب شروط الصلاة: ثم الأصل في جنس هذه المسائل أن من ابتلي ببليتين، وهما متساويتان يأخذ بأيتهما شاء، وإن اختلفا يختار أهونهما؛ لأن مباشرة الحرام لا تجوز إلا للضرورة ولا ضرورة في حق الزيادة

قال الشيخ المفتي محمد شفيع رحمه الله تعالى في مسألة تلقيح دم غير المسلم في جسد المسلم:

نفسِ جواز میں کوئی فرق نہیں، لیکن یہ ظاہر ہے کہ کافر یا فاسق فاجر انسان کے خون میں جو اثراتِ خبیثہ ہیں ان کے منتقل ہونے اور اخلاق پر اثر انداز ہونے کا خطرہ قوی ہے، اسی لئے صلحاءِ امت نے فاسق فاجر عورت کا دودھ پلوانا بھی پسند نہیں کیا، بناءً علیہ کافر اور فاسق فاجر انسان کے خون سے تابمقدور اجتناب بہتر ہے۔(انسانی اعضاء کی پیوندکاری، ص:۲۸)

تحفة الفقهاء - (٣/ ٣٤٥)

ولو أن حاملا ماتت وفي بطنها ولد يضطرب فإن كان غالب الظن أنه ولد حي وهو في مدة يعيش غالبا فإنه يشق بطنها لأن فيه إحياء الآدمي بترك تعظيم الآدمي وترك التعظيم أهون من مباشرة سبب الموت

التشريع الجنائي الإسلامي - (١/ ٥٧٨)

ويحرم مالك أكل لحم الإنسان في حالة الضرورة ولو كان مهدراً[١]، فمن جاع حتى أوشك أن يهلك ولم يجد إلا مهدراً فليس له أن يأكل من لحمه ما يرد جوعه سواء كان

(جاری ہے۔۔۔)

(١).. المهدر: من الإهدار، اي الذي أبيح دمه شرعاً، كما في التشريع الجنائي الإسلامي -١/ ٥٢٩: الإهدار هو الإباحة، ويقع على نفس الشخص أو على طرفه أو على ماله.

المهدر حياً أو ميتاً، وهذا هو الرأي الراجح في مذهب أبي حنيفة. ويجيز الشافعي وأحمد أكل لحم المهدر في حالة الضرورة سواء كان المهدر حياً أو ميتاً، ويوافقهما في هذا بعض الحنفية بل يبيح الشافعي وبعض الحنفية أكل لحم الميت المعصوم في حالة الضرورة؛ لأن حرمة الحي أعظم من حرمة الميت، أما أحمد فيحرم أكل لحم المعصوم الميت. ويبيح الشافعي للمضطر أن يقطع من جسمه فلذة ليأكلها في حالة الضرورة إذا ظن السلامة مع القطع. ويخالفه في هذا بقية الفقهاء. وليس للمضطر أن يأخذ من مضطر مثله ما يقيم حياته؛ لأنه أحق به حيث يساويه في الضرورة وينفرد في الملك، فإن أخذه منه فمات فهو مسئول عن موته ويعتبر قاتلاً له بغير حق. وللمضطر أن يأخذ ما يقيم حياته من غيره إذا لم يكن في حاجة إليه.......... والله سبحانه وتعالیٰ اعلم بالصواب

محمد حذیفہ عفا اللہ عنہ
دار الافتاء جامعہ دار العلوم کراچی
۱۰/جمادی الاولی-۱۴۳۸ھ
۸/فروری-۲۰۱۷م

اصاب المجیب شکره الله تعالیٰ
بارک الله فی علمه وعمره وعمله
محمد [illegible]
۱۴۳۸/۵/۱۱

الجواب صحیح
احقر محمود اشرف غفر اللہ
۱۴۳۸/۵/۱۴ھ

مفتی

الجواب صحیح
عبد المنان [illegible]
۱۴۳۸/۵/۱۴ھ

مفتی

دار الافتاء
فتویٰ نمبر ۱۷/۱۸۶۳
۱۴۳۸/۵/۱۸

نائب مفتی

الجواب صحیح
۱۴۳۸/۵/۱۵ھ

الجواب صحیح
شاہ محمد تفضل علی عفی عنہ
۱۴۳۸/۵/۱۵ھ

الجواب صحیح
۱۴۳۸/۵/۱۵ھ

مفتی

الجواب صحیح
الجواب صحیح
محمد یعقوب عفی عنہ
۱۴۳۸/۵/۱۵ھ
۱۴۳۸/۵/۱۶ھ